Fikr-o-Nasar (Islamabad) 30:1-2 (1992)

حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

جس طرح سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مسافر کے لئے منزل کا تعین اور راستے کے نشیب وفراز سے آگاہ ہونا اور راہ منزل کے خط وخال اور معالم ونشانات جاننا بھی سہولت وافادیت کا باعث ہوتا ہے اسی طرح کسی موضوع پر گفتگو کا آغاز کرنے سے قبل اس کی تعریف وتحدید اور اس کے لوازمات وملابسات سے آگاہی بھی بے حد مفید وکار آمد ہوتی ہے' اس اصول پر ہم بھی کار بند ہوں گے' اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع حدیث بنویؐ کا بلاغی اعجاز ہے' ہمارا یہ موضوع جہاں بے پایاں وسعتوں کا حامل نظر آتا ہے وہاں یہ انتہائی لطافت ونزاکت اور عمق وگہرائی کا حامل ایک فنی یا ٹیکنیکل موضوع بھی ہے' اس لئے ہماری اولین ضرورت یہ ہے کہ اس کی تعریف وتحدید کا مرحلہ طے کر لیا جائے تاکہ اس کی بے پایاں وسعتوں کو سمیٹنا اور فنی لطافتوں اور گہرائیوں کا ادراک آسان ہو سکے۔

اہل علم نے فن اصول حدیث میں واضح کیا ہے کہ حدیث نبویؐ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں' جو تین اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں قولی' فعلی اور تقریری' دوسرے لفظوں میں جو بات آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی وہ قولی حدیث ہے ۔ آپؐ نے جو عمل فرمایا وہ فعلی حدیث ہے اور اگر آپؐ کی موجودگی میں کوئی کام انجام پایا اور آپ نے اسے استحسان کی نظر سے دیکھا یا سکوت اختیار فرمایا تو یہ تقریری حدیث ہو گی(۱) ۔ ظاہر ہے حدیث کی دوسری اور تیسری قسم ہماری اس گفتگو کے موضوع سے خارج ہے' صرف پہلی قسم یعنی قولی حدیث 'جو صحیح ثابت ہو چکی ہو' زیر بحث لائی جاسکتی ہے۔

تاہم قولی حدیث کو زیر بحث لانے میں بھی چند دشواریاں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ قولی حدیث کا بلاشک وشبہ صحیح ثابت ہونا ضروری ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس قولی حدیث کے بلاغی اعجاز سے ہم بحث کر رہے ہیں اس کے الفاظ واقعی بہ تمام وکمال رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یقیناً اسی طرح ادا ہوئے جس طرح منقول ہو کر ہم تک

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

پہنچے ہیں' روایت حدیث کے ضمن میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط کا پہلو سب کو معلوم ہے(۲)۔ ہمارے ان پاکیزہ نفس اسلاف نے قرآن کریم کو محور و مرکز دین کی حیثیت سے پوری حفاظت کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے یہ ضروری خیال فرمایا کہ کتاب اللہ جیسی اہمیت و توجہ کسی اور چیز پر نہ دی جائے' اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کی حفاظت کے ضمن میں ہمارے اسلاف نے احتیاط واہتمام کی جو روش اختیار فرمائی وہ بے نظیر و بے مثال ہے لیکن ارشادات نبویؐ کو حرز جاں بنانے میں بھی اکثر بزرگوں نے کافی اہتمام کیا' چنانچہ جہاں کتاب اللہ کے متعلق حکم ربانی تھا کہ :۔(۳)

" فمن بدلہ بعد ماسمعہ فانمااثمہ علی الذین یبدلونہ " (سوجس نے اسے سننے کے بعد بدل ڈالا تو پھر اس کا گناہ انہی لوگوں کے سر ہو گا جو اسے بدلتے ہیں)۔

وہاں حدیث نبویؐ کے متعلق حذر واحتیاط کو لازم ٹھہرانے اور افترا پردازی کی روش اختیار کرنے والوں کے لئے بھی خود زبان نبوتؐ سے شدید وعید آئی ہے کہ (۴)

" من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار" (جس نے جان بوجھ کر میری طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کی تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنانا چاہئے)

مگر کتاب اللہ کی حفاظت اور حدیث رسولؐ اللہ کی حفاظت میں بڑا فرق ہے' ایک تو یہ ہے کہ آیات کلام اللہ نازل ہوتے ہی ایک طرف تو نبوت کے قلب اطہر پر سنقرئک فلاتنسی (تجھے قرآن ایسا پڑھائیں گے کہ تو اسے بھولے گا ہی نہیں) (۵) کے رنگ میں نقش ہو جاتی تھیں' تو دوسری طرف "فی صدور الذین اوتواالعلم" (ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو گا جنہیں علم دیا گیا ہے)(۶) کے حکم ربانی کے مطابق حفاظ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں بھی یہ محفوظ ہو جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کاتبان وحی ان آیات بینات کو سپرد قلم فرما دیتے تھے(۷) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ " انا نحن نزل الذکر وانا لہ لحافظون(۸)" کا تاکیدی عہد ربانی بھی ہے' لیکن حدیث نبوی کے اہتمام کے ضمن میں ایسی کوئی بات نہیں آئی!

اس سلسلے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جہاں آیات بینات کی قراءت بالمعنی گستاخی' تحریف اور کفر قرار دی گئی ہے وہاں احادیث کے ضمن میں علماء نے حدیث نبوی کی روایت بالمعنی کی بھی اجازت دی ہے(۹) لہٰذا یہاں حدیث نبوی سے ہماری مراد حضور اکرمؐ کے وہ ارشادات ہیں جو قولی

حدیث کہلاتے ہیں اور مسلم طرق روایت کے مطابق واضح صحت کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں۔

عنوان کا دوسرا حصہ "بلاغی اعجاز" ہے' اس لئے بلاغت اور اعجاز کا مفہوم بھی واضح طور پر ذہن نشین ہونا چاہئے' اکثم بن صیفی' جو حضور اکرمؐ کا معاصر تھا مگر اعلان نبوت سے قبل ہی فوت ہو گیا تھا' ایک فصیح و بلیغ خطیب تھا اور لوگ اسے حکیم العرب (عربوں کا دانا وعاقل) کہتے تھے' بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے!(۱۰)

" دنو الماخذ وقرع الحجتہ وقلیل من کثیر" (یعنی لفظ ومعنی کا ماخذ آسان اور ذہنوں کے قریب تر ہو' اسلوب ودلائل انتہائی موثر و لاجواب ہوں اور بہت سے الفاظ کی محتاج بات کو کم سے کم لفظوں میں بیان کرنا بلاغت ہے)۔

مشہور امام ادب عربی الاصمعی کا قول ہے کہ(۱۱) "البلیغ من طبق المفصل واغناک عن المفسر" فصیح وبلیغ وہ شخص ہوتا ہے جو بات کو کھول کر پیش کرے اور کسی تفسیریا وضاحت سے بے نیاز کردے)۔

جاحظ نے البیان والتبیین میں مختلف اقوام کے ہاں بلاغت کے مفہوم کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں(۱۲) چنانچہ اہل فارس کے نزدیک "البلاغتہ ھی معرفتہ الفصل من الوصل" یعنی فصل اور وصل کے مواقع سے آگاہی کا نام بلاغت ہے' یونانیوں کے نزدیک" تصحیح الاقسام واختیار الکلام" (بیان کی تقسیم درست ہو اور بات جچی تلی ہو) کانام بلاغت ہے' رومیوں کا خیال یہ ہے کہ "حسن الاقتضاب عند البداھتہ والغزارة یوم الاطالتہ" (فی البدیہ بولنا پڑے تو حسن اختصار سے کام لینا آتا ہو اور بات کو طول دینے کا موقع ہو تو ذہنی زرخیزی میسر ہو) کانام بلاغت ہے' قدیم اہل ہند کی رائے میں "وضوح الدلالتہ وانتہاز الفرصتہ وحسن الاشارة" (استدلال واضح ہو' موقع شناسی کا ملکہ حاصل ہو اور حسن اشارہ سے کام لینا آتا ہو) تو بلاغت ہے' مشہور عرب خطیب امام معتزلہ عمرو بن عبید نے بلاغت کی تعریف یوں کی ہے :(۱۳)۔

"تخیر اللفظ فی حسن الافہام وتقد یر حجتہ اللہ فی عقول المکلفین وتخفیف المئونتہ علی المستعین وتزیبین تلک المعانی فی قلوب المویدین بالالفاظ المستحسنتہ فی الاذان' المقبولتہ عند الاذھان رغبتہ فی سرعتہ استجابتہم ونفی الشواغل عن قلوبہم بالموعظتہ الحسنتہ علی الکتاب والسنتہ" (یعنی حسن تفہیم کے لئے چنے ہوئے لفظ لانا' مکلف بندوں کی عقلوں میں اللہ

تعالیٰ کی حجت کو راسخ کرنا' سننے والوں کی ذمہ داری کو کم کرنا' ارادت مندوں کے دلوں میں ان معانی کو سجانا' ایسے الفاظ سے جو قوت سامعہ کو بھلے لگیں اور ذہنوں کو قبول ہوں' جن سے کتاب وسنت کی اساس پر موعظہ حسنہ کے ذریعہ انہیں جلد سے جلد آمادہ کرنے اور ان کے دلوں سے مشغول رکھنے والی باتوں کو نابود کرنا مقصود ہو)۔

گویا جس بات کا سرچشمہ دل کی گہرائی ہو' وہ دماغ سے خوبصورتی کے ساتھ ڈھل کر نکلے' زبان سے سنور کر ادا ہو' اور کانوں میں شیرینی اور رس گھولتے ہوئے دلوں میں اتر جائے' وہی بات بلیغ ہے!

اعجاز کے معنی ہیں عاجز کر دینا' بے بس بنا دینا' اسی سے معجزہ مشتق ہے جو عاجز کر دینے والا ہوتا ہے' کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا(۱۴)۔ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول معجزات سے نوازے جاتے تھے تاکہ ان کے مخاطبین پر یہ بات واضح ہو کہ وہ بشر ہوتے ہوئے بھی عام بشر کی طرح نہیں ہوتے۔ ان کا اللہ رب العزت سے خاص تعلق ہوتا ہے جو عام بشر کو عطا نہیں ہوتا۔ یہی تعلق وحی من اللہ' منصب رسالت ونبوت پر فائز ہونے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام حق انسانیت تک پہنچانے سے عبارت ہے (۱۵)۔ لیکن یہ تعلق کوئی معمولی تعلق نہیں ہوتا' اسی لئے اس خصوصی تعلق کے مظہر اور علامت کے طور پر انبیائے کرامؑ کو معجزات عطا ہوئے ہیں لیکن ان سب معجزات کا معجزہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے' یہی سب سے اہم' بنیادی اور امتیازی بات ہے' اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل دائمی اور زندہ جاوید معجزہ اسی تعلق سے عبارت ہے یعنی جو وحی ربانی آپ پر نازل ہوئی اسی کا ثمر کتاب اللہ بہ تمام و کمال ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر پیغمبر اسلامؐ کا دائمی معجزہ قرار پائی ہے۔

تو موضوع کے حدود ومعالم کا تعین اس طرح ہوا کہ حدیث نبویؐ کی وہ قسم جسے قولی حدیث کہتے ہیں اس میں سے جو چیز صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے وہ معجزہ ہے اور وہی ہمارا موضوع ہے' اور یہی ارشادات نبویؐ اپنی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہیں۔

موضوع کے تعین کے بعد اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ بلاغت نبوی کس طرح ایک معجزہ ہے' ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ اور سیرت طیبہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تھا

کہ کان خلقہ القران (۱۶)۔ یہ قول بھی اعجاز نبویؐ کا ترجمان ہے' گویا قرآن کریم جو نظریاتی تعلیم ہے اس کی عملی تفسیر پیغمبرؐ کی ذات اور آپ کی سنت ہے۔ قرآن کریم کے احکام پر صحیح عمل اور آیات بینات کی عملی تصویر و تفسیر آنحضرتؐ کی ذات ہے۔ اس عملی تصویر اور تفسیر کا ایک پہلو آپ کی فصیح و بلیغ گفتگو کا اقتباسات ' کلمات اور محاورات قرآنی سے مزین ہونا بھی ہے۔ چنانچہ آپ کے کلام معجز نظام میں جو "وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی" (۱۷) کی ضمانت الٰہی سے مشرف تھا اپنے اندر قرآنی رنگ کی بیشمار اور بکثرت جھلکیاں رکھتا تھا۔ آج تک کسی کا ایسا کلام اور ایسی گفتگو دیکھنے میں نہیں آئی جس میں قرآنی اقتباسات ' کلمات و محاورات اتنی کثرت اور وافر مقدار میں پائے جائیں جس قدر کہ ان سے کلام نبوت مزین ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ بھی فرماتی ہیں(۱۸) کہ "ماکان رسول اللہ یسرد کسردکم ھذا ولکن کان یتکلم بکلام بین فصل یحفظہ من جلس الیہ' وکان رسول اللہ یحدث حدیثالوعدہ العاد لاحصاہ" یعنی رسول اللہ لگاتار تیز تیز نہیں بولے جاتے تھے۔

جس طرح تم لوگ لگاتار تیز تیز بول کر بات کو خلط ملط کر دیا کرتے ہو' بلکہ آپ تو واضح الگ الگ نکھرے ہوئے انداز میں بات کرتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے آپ کی باتوں کو حفظ کر لیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بات کرتے تھے تو اگر کوئی شمار کرنے والا آپ کے حروف والفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

ام المومنین رضی اللہ تعالی کے ان اقوال سے چار ایسی باتیں واضح ہوتی ہیں جو فصحاء و بلغاء کو کم ہی نصیب ہوئی ہیں!

۱۔ آپ کی گفتگو میں کوئی الجھاؤ ' ابہام یا بے اعتدالی نہیں ہوتی تھی۔

۲۔ بلکہ یہ گفتگو نہایت واضح ' الگ الگ نکھرے ہوئے انداز اور عام فہم قسم کی ہوتی تھی۔

۳۔ اس گفتگو کا ذہن نشین کرنا' بلکہ دل میں اتارنا آسان ہوتا تھا اور نبی کی شان بھی یہی ہے کہ اس کی بات ذہن نشین ہو کر دل میں اتر جائے تاکہ اثرات ونتائج کا مظاہرہ ہو۔

۴۔ آپ ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے تاکہ آپ کی گفتگو سے سب کو فائدہ ہو اور ہر خاص وعام اس سے مستفیض ہو سکے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ قریش کے وصاف الحلیہ مشہور تھے' عربوں کے قدیم فنون ومعارف

میں سے قیافہ اور فراست کی طرح وصف حلیہ بھی ایک کمال کا فن متصور ہوتا تھا۔ جس طرح آج کوئی وصف نگار کسی چیز یا شخصیت کی قلمی تصویر (پین پکچر) پیش کرنے میں مہارت کے باعث ہنر مند وصاحب کمال متصور ہوتا ہے اسی طرح قدیم عرب کے وصاف الحلیہ کسی چیز یا شخصیت کی لفظی تصویر پیش کر کے ہنر مند اور صاحب کمال تسلیم کئے جاتے تھے(۱۹)۔ پھر یہ لفظی تصویر انسانوں کے حافظہ میں منتقل ہوتی رہتی تھی اور سننے والے اس چیز یا شخصیت کو اپنے سامنے اسی طرح مجسم پاتے تھے جس طرح آج کوئی مصور یا کیمرہ والا کسی چیز یا شخصیت کو ہمارے سامنے ہو بہو محفوظ کر کے پیش کر دیتا ہے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ بھی اس فن میں کامل بلکہ یکتائے روزگار تھے اور قریش کے ہاں مسلم ومشہور وصاف الحلیہ تھے(۲۰)۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ان سے یہ لفظی تصویر یا قلمی سراپا سننا چاہتے تھے تاکہ یہ سراپا اور یہ تصویر لفظی ان کے حافظہ میں ہمیشہ کے لئے یوں محفوظ ہو جائے جس طرح فریم میں تصویر لگا کر محفوظ کر دی جاتی ہے۔ حضرت ہند نے آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے جو لفظی تصویر پیش کی ہے وہ کسی عام آدمی یا معمولی بشری شخصیت کا سراپا نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک مافوق البشر کا سراپا لگتا ہے جس کے اعضاء و جوارح بڑے اہتمام سے کسی خاص مقصد کے لئے تخلیق فرمائے گئے ہوں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی جو اخلاقی تصویر پیش کی ہے اگر وہ معجزہ اخلاق ہے تو حضرت ہند کا یہ بیان کردہ لفظی سراپا معجزہ تخلیق متحقق ہوتا ہے۔ اس طرح آپ خلق وخلقت دونوں لحاظ سے اپنے خالق ومرسل کا اعجاز ہیں اس لئے "فاق النبیین خلقا" خلقا"" والی شاعرانہ ترکیب لفظی حقیقت کی ترجمان ہے(۲۱)۔ لیکن یہاں پر اس تصویر لفظی کا صرف وہی حصہ سامنے رکھنا مقصود ہے جس کا تعلق آپ کے نطق وکلام اور فصاحت وبلاغت سے ہے، وہ فرماتے ہیں(۲۲)!

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وبیشتر غموں سے درد مند اور غور وفکر میں محو رہتے تھے۔ آپ آرام وراحت سے کم آشنا تھے بلا ضرورت کبھی نہیں بولتے تھے، زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ گفتگو کرتے ہوئے پورا منہ کھولتے تھے، آپ کے کلام کے الفاظ جامع ومختصر ہوتے تھے، جب بولتے واضح انداز میں کسی کمی یا فالتو الفاظ کے بغیر بولتے۔ نرم مزاج و خوش اخلاق تھے، آپ نہ تو تندخو و درشت طبع تھے اور نہ عاجز وکمزور۔ ہمیشہ پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے، تعجب ہوتا تو اپنا

ہاتھ الٹ دیتے ۔ بات کرتے تو اپنے ہاتھوں کو قریب کر کے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مار دیتے ۔ خفگی یا ناپسندیدگی کے اظہار کے طور پر منہ موڑ لیتے ' خوشی میں نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کی پوری ہنسی صرف مسکراہٹ ہی ہوتی تھی' جب مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت یوں چمکتے دکھائی دیتے جیسے بادل میں سے ٹھنڈے ٹھنڈے چمکتے ہوئے اولے دکھائی دے رہے ہوں !"

یہ لفظی تصویر کسی غیر معمولی بلکہ مافوق البشر شخصیت کی تصویر ہے' گفتگو کے یہ انداز اور لب ولہجے کے یہ اطوار کسی سحر انگیز کشش اور جاذبیت کے ترجمان ہیں جو دیکھنے سننے والوں کو اپنی طرف کھینچتی اور دلوں پر غالب آتی دکھائی دیتی ہے ۔

آپ کو معلوم ہے کہ سفر ہجرت کے دوران میں عرب کی ایک خانہ بدوش صحرائی خاتون کو داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا' اور جو تاریخ میں ام معبد کے نام سے زندہ جاوید ہو گئیں ۔ وہ جب اپنے اس عظیم الشرف اور جلیل القدرؐ مہمان کا سراپا بیان کرتی تھیں تو ایک فصیح وبلیغ بدوی خاتون کے انداز میں آپ کے طرز تکلم وگویائی کے متعلق فرمایا کرتی تھیں (۲۳)! حلوالمنطق فصل لانزرولا هذر كان منطقه خرزات نظمن ' وكان جهر الصوت حسن النغمته" یعنی آپ شیریں گفتار تھے' بات نہایت واضح ہوتی 'وہ نہ قلیل الکلام تھے نہ فضول الکلام' آپ کا کلام معجز نظام تو موتی تھے جو لڑی میں پرو دئے گئے ہوں ' بلند اور گرجدار آواز تھی مگر خوبصورت نغمگی میں ڈوبی ہوئی ۔"

سیرت طیبہ پر قلم اٹھانے والے قدیم وجدید اہل علم ودانش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت کے معجزانہ اسلوب پر گفتگو فرمائی ہے ۔ ان بزرگوں میں سے ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ' امام ابوالحسن الماوردی' حجتہ الاسلام امام ابو حامد الغزالی' قاضی عیاض الیحصبی عقاد 'عطیہ ابراشی اور مصطفیٰ صادق الرافعی کی باتیں بڑی خوبصورت ہیں اور خصوصی توجہ کی دعوت دیتی ہیں' مگر یہاں ہم اختصار کے پیش نظر صرف تین اقتباسات پر اکتفا کریں گے' ابو عثمان لکھتا ہے(۲۴)!

" آپ کا کلام معجز نظام ایسا تھا کہ جس کے حروف کی تعداد کم مگر معانی کی مقدار زیادہ ہوتی تھی۔ یہ تصنع و آورد سے بالکل پاک اور تکلف سے منزہ و بالاتر ہوتا تھا۔ تفصیل کے موقع پر تفصیل اور اجمال کے موقع پر اجمال ہی ہوتا تھا۔ آپ کی گفتگو بے قاعدہ' نامانوس اور وحشی الفاظ سے خالی اور عامیانہ الفاظ سے پاک ہوتی تھی ۔ کلمات تھے جو سرمایہ حکمت سے لبریز' اغلاط اور

خامیوں سے مبرا ہوتے تھے' آپؐ کے کلام کو غیبی تائید وتوفیق الٰہی حاصل تھی۔ کسی نے آپ کے کلام سے زیادہ مفید' سچا' مناسب وموزوں' خوش اسلوب' عمدہ معنی' اثر انگیز ودلنشیں آسان وزود فہم اور اپنے مقصد و مدعا کو وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان کرنے والا نہیں پایا"

صاحب الشفاء قاضی عیاض الیحصبی کا قول یہ ہے کہ (۲۵)!

" وامافصاحتہ اللسان وبلاغتہ القول فقدکان صلی اللہ علیہ وسلم من ذلک بالمحل الافضل والموضع ا لذ ی لایجہل۔ سلاستہ طبع وبراعتہ منزع وایجاز مقطع ونصاعتہ لفظ وجزالتہ قول وصحتہ معان وقلتہ تکلف"

جہاں تک فصاحت لسانی اور بلاغت گفتار کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں افضل ترین مقام کے مالک تھے' آپؐ کا مرتبہ فصاحت کسی سے پوشیدہ نہیں' طبیعت کی سلاست وروانی معانی پیدا کرنے کا کمال' جامع ومختصر جملے' چمک دمک والے الفاظ' صحیح اور تکلف سے پاک کلام آپؐ کا امتیاز تھا۔"

اقتباسات کسی حد تک بات کو بوجھل بنانے کا سبب بن جاتے ہیں اس لئے صرف ایک اور اقتباس پر اکتفاء کرتے ہیں جو ڈاکٹر طہ حسین کے مقابلے پر تمام عمر ڈٹے رہنے والے عظیم مصری دانشور مصطفےٰ صادق الرافعی کا ہے' فرماتے ہیں(۲۶)!

" ومن کمال تلک النفس العظیمتہ و غلبتہ فکرہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لسانہ' قل کلامہ وخرج قصدا الفاظہ محیطا بمعاینہ تحسب النفس قداجتمعت فی الجملتہ القصیرۃ وللکلمات امعدودۃ بکل معانیہا ' فلاتری من الکلام الفاظا ولکن حرکات نفسیتہ فی الفاظ 'ولہذا کثرت الکلمات التی انفرد بہادون العرب وکثرت جوامع کلمہ وخلص اسلوبہ فلم یقصر فی شئی ولم یبالغ فی شئی واتق لہ من ھذا الامر علی کمالہ الفصاحتہ وا لبلاغتہ ما لواراوہ مرید العجز عنہ ولو استطاع بعضہ لماتم لہ فی کلامہ لان مجری الاسلوب علی الطبع ' والطبع غالب مماتشد المرء وارقاض ومماتثبت وبالغ فی التخفظ۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کے کمال اور زبان پر سوچ کے غالب آنے کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کم گو ہوگئے تھے ۔ آپ کے الفاظ بڑے اعتدال سے ادا ہوتے تھے جو گفتار کے معانی پر محیط ہوتے تھے ۔ آپ کو یوں لگے گا کہ آپ کی شخصیت چھوٹے سے جملے اور چند کلمات

میں اپنے بھرپور معانی کے ساتھ مجتمع ہوگئی ہے، یوں کلام میں الفاظ نہیں بلکہ الفاظ میں شخصیت متحرک دکھائی دے گی۔ چنانچہ آپ کی گفتار میں ایسے منفرد کلمات ومحاورات بکثرت نظر آئیں گے جن میں آپ کے ساتھ کوئی اور عرب شریک نہیں ہے، آپ کے جوامع الکلم کی بھی کثرت ہے۔ آپ کا اسلوب خالص تھا اس لئے نہ تو کسی چیز کے اظہار میں آپ عاجز رہے اور نہ کسی بات میں مبالغہ آمیزی نظر آئی۔ اس سلسلے میں کمال فصاحت وبلاغت کے ساتھ آپ کی گفتار کو وہ ترتیب اور تنظیم میسر آئی جس کا قصد کرنے والا اسے پانے سے عاجز رہا اور اگر اس کا کچھ تھوڑا بہت کسی نے پا بھی لیا تو بھی وہ کمال سے عاجز ہی رہے گا، کیونکہ اسلوب کا بچاؤ طبیعت وفطرت سے تعلق رکھتا ہے جو قابو میں آنے والی نہیں خواہ کوئی کتنی بھی مشقت وریاضت کرلے اور ثابت قدمی واستقامت میں خواہ کتنی ہی مبالغہ آمیزی اور غلو سے کام لیتا رہے۔"

بلاغت کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی ہیں جن سے آپؐ کا اپنا نظریہ بلاغت مرتب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کو لمبی چوڑی تقریر پسند نہ تھی آپ خود بھی مختصر خطبہ ارشاد فرماتے اور صحابہ کرامؓ رضی اللہ تعالی کو بھی اس کا حکم دیتے۔ کاہنوں کا سا سجع وقافیہ آپ کو پسند نہ تھا، بات کا بتنگڑ بنانا اور تکلف سے باچھیں کھولنا بھی آپ کو ناپسند تھا۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے سامنے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی اور تیزی اور چرب زبانی کی انتہا کر دی، آپ نے فرمایا "کم دون لسانک من حجاب" کہ تیری زبان کے سامنے کتنی رکاوٹیں ہیں؟ تو وہ بولا! مشفتا ی واسنانی ؟ کہ دو چیزیں رکاوٹ ہیں میرے دو ہونٹ اور میرے دانت! آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ زبان انسان کے قابو میں رکھنے والی چیز ہے اسی لئے تو اللہ تعالی نے انسان کو بتیس دانت دیئے ہیں جو زبان کو ادھر ادھر پھسلنے سے بچاتے ہیں۔ پھر دو ہونٹوں کا قفل ہے اگر لگ جائے تو زبان کی کیا مجال جو اپنا کسی قسم کا عملی مظاہرہ کر سکے، بظاہر آپ کا مخاطب بھی آپ کی بات کو سمجھ گیا تھا، اس لئے آپ نے اس سے کسی مزید وضاحت کے بغیر فرمایا(۲۷)!

" ان اللہ یکرہ انبعاق فی الکلام فنضر اللہ وجہ رجل اوجز فی کلامہ واقتصر علی حاجتہ"

کہ اللہ تعالی کو بے لگام گفتگو ناپسند ہے، اللہ تعالی اس شخص کو سرخ رو فرمائے جو گفتگو میں اختصار وایجاز سے کام لیتے ہوئے اپنی ضرورت بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود مختصر خطبہ ارشاد فرماتے تھے بلکہ اپنے صحابہ کرام

کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تقاریر میں اختصار سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ (۲۸)

رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ابغضکم الی الثرثارو ن المتفیھقون" میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو زیادہ باتونی اور گلا پھاڑ کر باتیں کرتے ہیں (۲۹)۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ "ایای ولتشادق!" بناوٹی انداز میں باچھیں کھول کر بولنے سے میں بچتاہوں(۳۰)۔

بلاغت نبویؐ کے پس منظر کے طور پر دو باتیں خصوصیت سے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ قبیلہ قریش کی شاخ بنی ہاشم کے چشم وچراغ تھے' بنوزہرہ کا قبیلہ آپ کا ننھیال تھا اور قبیلہ بنو سعد بن بکر میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے "انا افصح العرب بیدانی من قریش ونشات فی بنی سعد بن بکر" اور آپ کے اس دعوی فصاحت پر کسی نے انگشت نمائی یا اعتراض کبھی نہ کیاتھا۔ اس لئے ان تمام عناصر نے آپ کی بلاغت لسانی کے لئے پس منظر کا کام دیا(۳۱) جو آپ کی معجزانہ بلاغت کا اصل راز تھا۔ ادبنی ربی فاحسن تادیبی" یعنی مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ہے چنانچہ میری خوب خوب ادبی تربیت فرمائی ہے' حدیث نبوی کے بلاغی اعجاز کے ضمن میں یہی بنیادی نقطہ ہے جسے یاد رکھنا بے حد ضروری ہے' دوسری یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ بلیغ خطبا کے ضمن میں عرب کسی قسم کے عیب برداشت نہیں کرتے تھے' بلکہ خطباء کے عیوب کو بہت اچھالتے تھے۔ حضرت موسی علیہ السلام کے متعلق فرعون بھی یہ بات کہنے سے باز نہ آیا تھا کہ لا یکا دیبین یعنی یہ تو اظہار بھی نہیں کرپا رہا(۳۲)! مگر رسول اللہؐ کے نکتہ چیں اور عیب جو دشمن تو بڑے سخت اور زبان دراز تھے مگر آپ کی خطیبانہ بلاغت پر نہ تو کبھی کسی کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملا اور نہ کبھی کوئی ایسی بات دیکھنے اور سننے میں آئی۔

اہل علم نے یہ نقطہ بڑی کثرت اور اظہار بیان کے تنوع کے ساتھ بیان کیاہے کہ رسل وانبیا علیہم السلام کی بعثت کے ضمن میں اللہ کی حکمت وسنت یہ رہی ہے کہ ہر نبی کو اس کے ماحول اور اہل زمانہ کی روش کے عین مطابق معجزات عطا کئے جاتے رہے ہیں۔ موسوی عہد کے فراعنہ کے ہاں شعبدہ بازی اور جادو گری کے بڑے چرچے تھے چنانچہ عصائے موسوی اوریدبیضا کے

معجزے اس تقاضے کا جواب تھے۔ عیسوی عہد کے عطار و حکیم علاج امراض کے ضمن میں اپنے حیرت انگیز کمالات کے دعویدار تھے اس لئے اس کا جواب دم عیسوی تھا جو اندھوں اور کوڑھیوں کا معجزانہ علاج کرتا تھا' احیائے موتی اور مٹی کے خود ساختہ پرندوں میں جان ڈالنا بھی معجزات عیسوی میں شامل تھا۔

مگر جب نبوت و رسالت کے دائمی و زندہ جاوید معجزہ کی ضرورت پیش آئی اور انسانیت کو حکمت لایزال و قدیم کی حامل کتاب زندہ قرآن حکیم عطا ہونے کا وقت آیا تو اس کے لئے عربی زبان اور بلاد عرب کو چنا گیا۔ یہاں کے لوگ روز ازل سے دنیا کے جھمیلوں سے الگ تھلگ اہل جنت کی سی سادہ مگر اکھڑ فطرت کے ساتھ ساتھ تمام آمیزشوں سے پاک ثقافت و زبان بھی رکھتے تھے۔ امام بلاغت العرب ابو عثمان الجاحظ نے لکھا ہے کہ عرب کے بادیہ نشین کسی فکر و فلسفہ اور تہذیب و تمدن کے مالک تو نہ تھے لیکن اس کے بدلے میں انہیں دو خوبیوں سے نوازا گیا تھا۔ ایک ذلاقتہ اللسان یعنی زبان کی تیزی اور کاٹ تھی اور دوسری بداھتہ البیان یعنی فی البدیہ خطابت و زور بیان(۳۳)۔ مگر مصطفیٰ صادق الرافعی کی رائے یہ ہے کہ عرب کے ہر بڑے سے بڑے خطیب و مقرر کی فصاحت و بلاغت اپنی تمام پختگی و مہارت کے باوجود قبل از وقت تیاری' سوچ بچار اور غور و فکر کی محتاج نظر آتی ہے' جو تکلف اور تصنع کی ملاوٹ سے بھی خالی نہ ہوتی تھی۔ عرب کے یہ فصحاء و بلغاء اپنے بڑوں سے اخذ و تعلم اور وسیع تجربہ و ممارست کے بعد کسی مرتبہ و مقام پر فائز ہوتے تھے مگر بایں ہمہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو عیوب خطابت سے کلی طور پر مبرا و منزہ ہوتا(۳۴)۔

اب گویا فصاحت و بلاغت کے چرچوں اور بلاغت نبویؐ نے اپنا جادو جگانا تھا' اور ہنگامہ آرائی کا جواب اعجاز القرآن ہی تھا' چنانچہ دس سورتیں پھر ایک سورت لانے کا چیلنج دیا گیا اور جب کوششیں ناکامی کے قدرتی انجام سے ہمکنار ہوگئیں تو یہ کہہ دیا گیا کہ اگر تمام جن و انسان مل کر ایک دوسرے کی مدد کر کے بھی معجزہ قرآنی کا جواب لانا چاہیں تو بھی نہیں لا سکیں گے۔ (۳۵) تمام جن و انس کو یہ چیلنج دینا دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آنے والے تمام زمانوں میں ازل سے ابد تک یہ چیلنج قائم و دائم رہے گا اور معجزہ قرآنی بلکہ معجزات قرآنی کا جواب کسی کے پاس کوئی نہیں ہو گا' اسی لئے یہ چیلنج کل بھی تھا' آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ قرآن کا

جواب نہ کل تھا نہ آج ہے اور نہ کل ہو گا۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ کل بھی تھا، آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

مگر ہمارا موضوع اس وقت اعجاز القرآن نہیں بلکہ اعجاز محمدی علی صاحبہ الصلوۃ و السلام ہے اور ہماری توجہ و اہتمام کا مرکز فصاحت وبلاغت نبویؐ کا اعجاز ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت بھی بلاشبہ ایک معجزہ ہے اور یہ معجزہ بھی درحقیقت قدرت ربانی کا ہی کرشمہ واعجاز ہے۔ نبیؐ اور رسول بلاشبہ خدا نہیں ہوتا مگر وہ کسی طرح کسی حال میں بھی خدا سے جدا نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت نے اپنی ذات بے ہمتا کو اپنے اسی بندے کے واسطے سے تو منوانا ہوتا ہے، اگر اس کا یہ بندہ خود معجزہ نہ ہو تو وہ اللہ تعالی کی ذات کو کیسے منوائے گا۔ اگر اللہ رب العزت اپنے اس بندے سے الگ اور جدا ہو جائے تو اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو کون تسلیم کرے گا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبائل شناسی اور انساب دانی میں یکتائے روزگار مسلم تھے۔ وہ جزیرہ عرب کے قبائل کی تاریخ، ان کے فصحاء وبلغاء اور ادباء وشعراء سے بھی آگاہ تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن سے جوانی تک یار غار ہونے کے باوجود یہ نہ جانتے تھے کہ آپ نے فصاحت وبلاغت کا سلیقہ کہاں سے سیکھا ہے، اس لئے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!(۳۶)

"لقد طفت فی العرب وسمعت فصحاء هم فما سمعت افصح منک فمن ادبک یارسول اللہ ؟ فقال:ۂ ادبنی ربی فاحسن تادیبی"

یعنی میں عرب میں گھومتا پھرتا رہا ہوں اور میں نے ان فصحاء کو بھی سنا ہے مگر میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کو فصیح وبلیغ نہیں پایا تو اے اللہ کے رسولؐ!

آپ کو یہ اسلوب ادبی کس نے سکھایا ہے آپ نے فرمایا ابوبکرؓ مجھے تو میرے رب نے ہی ادب سکھلا دیا ہے تو کیا خوب ادب سکھلا دیا ہے!

اب آپ نے یہ واقعہ تو بارہا پڑھا اور سنا ہو گا، نبیؐ اور ان کے صدیقؓ کے اس سوال و جواب سے بھی آپ بخوبی آگاہ ہوں گے، ذرا غور فرمائیے کہ وہ ابوبکر صدیقؓ جو قبائل عرب اور ان کے انساب کے ماہر تھے کہ لوگ انہیں انسب العرب یعنی عرب کا سب سے بڑا نسب داں تسلیم

کرتے تھے۔ اور وہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفولت ' شباب اور کہولت کے عینی شاہد بھی تھے' اپنے یارِ غار کی کوئی بات ان سے چھپی نہ تھی مگر کبھی انہیں کسی سے ادب کا درس لیتے نہ دیکھا تھا' کسی خطیب وبلیغ سے اصول خطابت و بلاغت سیکھتے نہ سنا تھا۔ مگر یکایک کتاب اللہ کے نزول کے آغاز اور منصب رسالت سے نوازے جانے کے بعد یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور یہ پوچھنے پر مجبور ہو گئے کہ فصاحت وبلاغت کا یہ سیل رواں وبیکراں کس کا فیض ہے۔ ظاہر ہے سوال وہی کرتا ہے جس سے کوئی بات چھپی ہوئی ہو وہ سب کچھ تو جانتا ہو مگر کوئی ایک بات اسے حیران کر رہی ہو' یہ معلوم تھا کہ میرا دوست بنو ہاشم کا چشم وچراغ ہے' قبیلہ بنو سعد بن بکرؓ میں پلا بڑھا ہے پھر تمام عمر کاروبار زندگی میں ایک ساتھ رہے ہیں' صدق وامانت میں کلام نہیں 'جب نبوت کا اعلان فرمایا تو بلاچوں و چراں مان لیا کہ صادق وامین کی زبان سے ہر ایک کے لئے سچ کے سوا کچھ نہیں نکلا تو وہ معاذ اللہ صرف اپنے خالق و مالک قادر مطلق رب العزت پر افتراء باندھے گا' ہرگز نہیں ' فرما دیا کہ جبرئیل امین تھا' اس نے منصب نبوت ورسالت کی بشارت دی ہے اور وحی ربانی سے مشرف کیا گیا ہے ۔ چنانچہ بلا چوں و چراں ایمان لے آئے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ روز مرہ کے کلام نبوتؐ کے پس منظر سے آگاہ نہ تھے کہ یار نے کب اور کہاں سے یہ فیضان بلاغت پایا ہے ۔ لہٰذا سوال کر ہی لیا' جواب ملا کہ یہ تو بس میرے رب کا فیض عام وکرم دوام ہے اور تم دیکھتے ہو کہ میرے رب نے مجھے کتنے خوبصورت انداز میں اسلوب ادب سکھلا دیا ہے !

بات دراصل یہ ہے کہ نبی کی ذات مجسم معجزہ خداوندی ہوتی ہے ' اس کا نبوتؐ ورسالت کے منصب پر فائز ہو جانا ہی اللہ رب العزت کا اعجاز اور اس کی قدرت مطلقہ کا کرشمہ ہوتا ہے۔ نبی و رسول کوئی عام آدمی نہیں رہتا بلکہ وہ تو کلی طور پر اللہ تعالی کا ہو جاتا ہے اور من کان اللہ کان اللہ لہ' کی زندہ تصویر بن جاتا ہے ' نبی کی ذات کی یہی حقیقت صادقہ ہے جو ہر زمانے میں اس کے مخاطبین کے لئے ناقابل فہم اور ناقابل یقین رہی ہے ۔ کفار مکہ کے لئے بھی یہی حیثیت نبویؐ ناقابل فہم اور ناقابل تسلیم تھی' سب کہتے تھے "انتم بشر مثلنا" کہ تم تو ہم سے انسان ہی ہو' اور جواب ہوتا تھا" "نحن بشر مثلکم یوحی الینا" بھئی ہم بشر تو تم جیسے ہی ہیں بس یہ کہ ہم پر وحی ہوتی ہے 'محمد رسول اللہ سے بھی ابوجہل 'امیہ بن خلف 'اور ولید بن مغیرہ وغیرہ یہی کہتے تھے کہ "ان انت الا بشر مثلنا" تو تو ہم سا انسان ہی ہے' حکم ہوا کہ فرما دیجئے "انما انا بشر مثلکم یوحی الی

(۳۷)" میں بشر تو تم جیسا ہی ہوں مگر وحی ربانی سے بھی تو نوازا گیا ہوں۔

اب یہ " یوحیٰ الیّ" (میری طرف وحی ہوتی ہے) کوئی معمولی بات نہیں ہے' جسے بعض لوگوں نے شاید معمولی سمجھ لیا ہے' یہ بہت بڑی بات ہے' بلکہ سب سے بڑی بات ہے بلکہ سب کچھ ہے ہی یہی۔ تم دنیاوی معاملات میں کہتے ہو فلاں بادشاہ ہے باقی بادشاہ نہیں ہے' فلاں صدر مملکت ہے باقی قوم صدر نہیں ہے' فلاں وزیراعظم ہے باقی عوامی نمائندگان وزیراعظم نہیں ہیں تو یہ فرق تمہارے نزدیک کوئی معمولی بات ہے' یہ تو تمہارے حقیر دنیاوی معاملات کی بات ہے۔ بادشاہت و حکمرانی ملتی ہے پھر چھین لی جاتی ہے یہ بادشاہت و حکمرانی دینے والے تو وقت کے انسان ہوتے ہیں' جب اس امتیازی فرق کا یہ عالم ہے تو پھر اس امتیازی فرق کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے ؟ جس کا تعلق اللہ اور اس کے رسولوں سے ہے' یہ منصب رسالت ونبوت کے عالم ارض کو عالم سماوی سے جوڑتا ہے۔ یہ رسالت ہی تو ہے جو فرش کو عرش پر پہنچاتی اور عرش کو فرش پر لاتی ہے تو یہ کوئی اتنی معمولی بات ہو سکتی ہے؟ اللہ رب العزت تو فرماتا ہے کہ "ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء" (۳۸) (یہ وحی ونبوت تو اللہ تعالی کا فضل ہے وہ جسے چاہے دیتا ہے) اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ربانی عطا فرما کر ارشاد ہوا کہ "وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما" تجھے تو وہ کچھ سکھلا دیا ہے اس نے جو تو نہیں جانتا تھا اور یہ تو اللہ تعالی کا تجھ پر فضل عظیم ہوا ہے!(۳۹)

تو گویا یوحی الی کوئی معمولی بات نہیں ہے' فضل نبوت فضل عظیم ہے' نبوت تو بشر کو بشیر و نذیر بنا دیتی ہے۔ وہ اللہ کا معجزہ ہو جاتا ہے' اس کی ہر بات معجزہ ہوتی ہے' اس کا کلام بھی معجزہ ہوتا ہے' نبی ہمیشہ اللہ کا ہوتا ہے اور اللہ اسے اپنے سے کبھی جدا نہیں کرتا' اس کے سامنے سمندر کی موج ہوتی ہے اور پیچھے فرعون کی فوج ہوتی ہے مگر وہ کسی خوف وخدشہ یا حزن وملال کے بغیر بلا جھجک آواز بلند کرتا ہے کہ "کلا ان معی ربی سیہدین!" کہا ہرگز نہیں (نہ فوج کی پرواہ ہے نہ موج کی) میرے ساتھ تو میرا رب ہے' اس نے تو میرے لئے راستہ نکالنا ہی ہے(۴۰)' تو اسے کہتے ہیں پیغمبرانہ اعجاز یا اعجاز پیغمبری! اللہ تعالی کے برگزیدہ بندے خود اپنی ذات اور اپنے وجود میں ایک معجزہ ہوتے ہیں۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اللہ کا پیغمبر اپنی ذات اور اپنے وجود میں سرچشمہ ہوتا ہے معجزات کا۔ اس کا ہر سانس' ہر قدم' اور ہر بات اللہ تعالی کی مرضی کے تابع ہوتی ہے

اس لئے ان برگزیدہ ہستیوں سے معجزات کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔

ایسے فیصلہ کن لمحات میں جیساکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ایک لمحہ درپیش تھا، عام مصلحین وزعماء کے قدم ڈگمگانے کے لمحات ہوتے ہیں مگر رسل وانبیاء کا مرتبہ ومقام اس سے بلند تر ہوتا ہے، ان کے قدم ثابت ومستحکم رہتے ہیں بلکہ ثبات واستقامت میں معجزات کا ظہور ہوتا ہے، وہ "من کان للہ کان اللہ لہ" کی سچی تصویر ہوتے ہیں، ہر قول اور ہر فعل "گفتہ او رگفتہ اللہ بود" کی مثال ہوتا ہے۔

گروہ انبیاء میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام چونکہ سب سے بالا وبرتر ہے اس لئے آپ کی ذات والا صفات ہربات اور ہر پہلو میں کمالات کے بام عروج پر ہے۔ صبرو عزیمت میں، ثبات واستقامت میں، مکارم اخلاق وحسن معاشرت میں، قیادت، خطابت ذکر وعبادت، حکمت وسیاست الغرض انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر عمل میں یکتا وبے مثال ہیں۔ مٹھی بھر جاں نثاروں کو عزم وہمت کا کوہ گراں اور شجاعت واستقامت کی فولادی قوت کس طرح بنایا جاتاہے اس کا ثبوت ہمیں غزوہ بدر سے پہلے کے لمحات میں ملے گا۔ سپہ سالار کی جنگی حکمت عملی کی خلاف ورزی سے شکست ہو جائے تو فاتح فوج کے موریل کو کس طرح پست کیا جاتا ہے اور شکست خوردہ فوج کو فاتح دشمن سے مرعوب ہونے کی بجائے حوصلہ مندی کا درس کیسے دیا جاتاہے۔ اس کا اظہار جنگ احد کے بعد لہولہان اور زخمی ساتھیوں کو ساتھ لے کر ابو سفیان کو مرعوب کرکے بھگانے اور پیچھے مڑنے کے تمام راستے بند کرنے کے لئے حمراء الاسد میں لشکر اسلام کی للکار سے ہوتا ہے، صلح حدیبیہ اسلام کے لئے یقیناً فتح مبین تھی، کفار مکہ کی طرف سے مطمئن ہو کر یہود اور سرکش وبدعہد قبائل عرب کی سرکوبی اور شاہان عالم کو خطوط کے ذریعہ رحمتہ اللعالمین کی دعوت عامہ کا موقع ملا مگر اس وقت یہ مناظر وحقائق صرف ایک آنکھ دیکھ رہی تھی اور یہ تھی محمد رسول اللہؐ کی آنکھ تو یہ سب نبوتؐ کے قائدانہ معجزے ہیں!

مندرجہ بالا اجمالی اشارات کے بعد ہم غزوہ حنین کو لیتے ہیں، جہاں محمد رسول اللہؐ کی سپہ سالارانہ دور اندیشی اور شجاعت واستقامت کا پیغمبرانہ اعجاز بھی بڑی وضاحت سے ثابت ہوتا ہے اور آپ کا بلاغی اعجاز بھی پوری طرح جلوہ فگن نظر آتا ہے۔ بارہ ہزار کا لشکر تھا جو بدر و احد اور خندق کے مٹھی بھر جاں نثاروں کے مقابلہ میں بہت بڑا لشکر تھا، مگر سالار اسلامؐ کی دور اندیشی

ملاحظہ ہو کہ مکہ مکرمہ سے روانگی سے قبل تیاری میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہیں رکھی جا رہی ' اسلحہ بھی اکٹھا کیا گیا اور سرمایہ بھی ادھار لیا گیا مگر یہ کثرت بعض سپاہیان اسلام کو عجب و تکبر سے دوچار کر گئی۔ چنانچہ دشمن فوج کے سپہ سالار مالک بن عوف کی جنگی حکمت عملی سے بارہ ہزار کے قدم اکھڑ گئے ' صبح منہ اندھیرے چاروں طرف کی پہاڑیوں سے لشکر پر تیروں کی بارش ہو گئی' سب بھاگ کھڑے ہوئے' یہ دیکھ کر ابو سفیان تمسخرا و استہزاء کے انداز میں کہہ رہا تھا! یہ شکست خوردہ سرپٹ دوڑتے ہوئے لوگ اب سمندر سے پہلے نہیں رکیں گے! اور شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کہہ رہا تھا! آج مجھے بھی محمدؐ سے اپنا انتقام لے کر جگر کو ٹھنڈا کرنے کا موقع مل رہا ہے (۴۱)۔

یہ ایک بڑا ہی نازک موقع تھا' حدیبیہ سے فتح مکہ تک اسلام اور اہل اسلام کا جو رعب اور ہیبت دلوں کو مسخر کر چکی تھی وہ خطرہ کی زد میں تھی۔ بیس سالہ جہاد اسلامی کی تاریخ داغدار ہونے کو تھی' بارہ ہزار کا لشکر جرار راہ فرار اختیار کر رہا تھا' لیکن نہیں ! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک مافوق البشر نبی مرسل اور بے مثال سالار کی نظر تھی ' دشمن کا لشکر تیروں کی بارش کر کے اپنا وار کر چکا تھا اور نیچے اتر رہا تھا اور فتح کے گھمنڈ میں بھاگنے والوں کے مکرر حملہ سے بے خبر تھا' ایسے میں اللہ کا رسول برحقؐ ڈٹ جاتا ہے ۔ آس پاس سے بھاگتی فوج کے سامنے اپنے قدم زمین میں گاڑ دیتا ہے۔ دشمن کی بپھری ہوئی فوج کے طوفان بلاخیز کے سامنے بند باندھ دیتا ہے۔ صدائے نبوتؐ گونجتی ہے (۴۲) لوگو ! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہاں جاتے ہو؟ ٹھہرو ادھر دیکھو انا لنبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب پھر عباس بن عبدالمطلب کی بلند آواز فضاؤں کو چیرتی ہے' اے معشر انصار! اے معشر مہاجرین! اے بیعت رضوان سے مشرف ہونے والو ' ادھر آؤ محمد رسول اللہؐ زندہ وسلامت ہیں اور دشمن کے سیل بلاخیز کو روک چکے ہیں! تاریخ کہتی ہے کہ بھاگتی ہوئی فوج پلٹی ' جھپٹی اور دشمن خوف وحیرت میں پیچھے کی طرف بھاگا اس کی فتح شکست میں بدل گئی' ہارے ہوئے جیت گئے بائیس ہزار اونٹ ' چالیس ہزار بکریاں 'چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار جنگی قیدی مال غنیمت ہاتھ لگا!

اب نو مسلموں کی بھیڑ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑنے کو تھی' محمد رسول اللہؐ کی نگاہ دور بین نے حالات کو بھانپ لیا تھا' ایک اونٹ کی کہان سے بال لیا اور مال غنیمت پر منڈلانے والوں سے مخاطب ہوئے (۴۳)!

" ایہاالناس ! واللہ مالی فی ھذہ الغنائم ولا فی ھذہ الوبرۃ الا الخمس والخمس مردود علیکم ' ردواعلی روائی ' ایہا الناس! فواللہ لو ان لکم بعدد شجر تہامۃ ابلا" لقمتہ علیکم ثم ما الفیتمونی بخیلا و لا جبانا ولا کذابا"

لوگو! اللہ کی قسم ہے اس مال غنیمت اور اونٹوں کی ' اس اون میں میرے لئے صرف خمس ہے اور یہ خمس بھی تم ہی کو واپس مل جائے گا ' میری چادر مجھے لوٹا دو بخدا اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی مال غنیمت کے اونٹ ہوتے تو تم میں بانٹ دیتا 'تم مجھے بخیل 'بزدل یا جھوٹا نہ پاتے!

اس تقریر کے بعد آپ قریش کے مولفتہ القلوب کو مال غنیمت سے خوش کر رہے تھے' ادھر انصار مدینہ کو حصہ نہ ملنے سے احساس محرومی و بے چینی کی کیفیت پیدا ہوتی دکھائی دے رہی تھی' وہ سمجھ رہے تھے کہ مکہ فتح ہو گیا' رسول اللہؐ اب شاید اپنی قوم کے پاس رک جائیں ' شاید اسی لئے مال غنیمت انہی کو دیا جارہا ہے'اس صورت حال کو نبوی بلاغت کا اعجاز سنبھالتا ہے اور حالات کا رخ بدل جاتا ہے ' ارشاد ہوتا ہے(۴۴)!

" یا معشر الانصار! ماھذا الذی سمعتہ عنکم الم اتکم ضالین فہداکم اللہ وعالتہ فاغنا کم اللہ واعدا ء فالف اللہ بین قلو بکم قالو! بلی یارسول اللہ ! قال :اما واللہ لوشئتم لقلتم فلصد قتم ولصدقتم اتیتنا مکذبا فصد قناک ومخذولا فنصرناک ! وطریدا فاویناک وعائلا فاسیناک ! استکثرتم یا معشر الانصار لعاجلتہ من الد نیا! تالفت بہاقوما لیسلموا ووکلتکم الی اسلامکم !! الا ترضون یامعشر الانصار ! ان یذ ھب الناس بالشاء والبعیر وترجعوا برسول اللہ فی رحالکم ؟ فوالذی نفس محمد بیدہ لولا الہجرۃ لکنت واحد امن الا نصار! ولو سلک الناس شعبا وسلکت الانصار شیعبا" لسلکت شعب الانصار اللہم ارحم الانصار وابناء الانصار وابناء ابناء الانصار!" " اے گروہ انصار! یہ کیاہے جو میں نے تمہارے بارے میں سنا ہے ؟ کیا میں تمہارے پاس ایسے حال میں نہیں آیا تھا جبکہ تم گمراہ تھے تو اللہ تعالی نے تمہیں ہدایت دی' تم محتاج تھے' اللہ تعالی نے تمہیں دولتمند بنادیا' تم ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اللہ تعالی نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا

سب نے کہا! ہاں یا رسول اللہ ! ہاں بخدا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اگر چاہو تو'اور تم سچے ہو گے اور تمہاری تصدیق کی جائے گی کہ آپ جب ہمارے پاس آئے تو آپ جھٹلائے ہوئے تھے مگر ہم نے آپ کی تصدیق کی' آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا مگر ہم آپ کے مدد گار بن گئے' آپ کو بے

سہارا بنا دیا گیا تھا لیکن ہم نے آپ کو پناہ دی' آپ محتاج تھے مگر ہم نے آپ سے ہمدردی کی۔ اے گروہ انصار! تم نے جلد ملنے والی دنیا کو بہت کچھ سمجھ لیا' میں نے اس دولت دنیا سے لوگوں کی تالیف قلب کی ہے تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں' تمہیں میں نے تمہارے دین اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔ اے گروہ انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ لوگ تو اپنے ساتھ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں مگر تم لوٹو تو رسول اللہؐ تمہارے ساتھ ہوں' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی ایک انصاری ہوتا۔ اگر انصار ایک گھاٹی میں سے گذرتے اور باقی سب لوگ دوسری گھاٹی میں سے گذرتے تو میں اس گھاٹی سے گذرتا جس سے انصار گذرتے ہیں۔

اے اللہ انصار پر' ان کے بیٹوں پر اور ان کی بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما!"

یہ الفاظ بجلی بن کر چمکے' رحمت بن کر برسے اور معجزہ بن کر چھا گئے۔ یہ تھی ایک مثال حدیث نبویؐ کے بلاغی اعجاز کی' یہ الفاظ جو انسانوں پر سحر حلال بن کر چھا گئے اور ان کی روش بدل کر رہ گئی' ان کی زندگی کا رخ بدل گیا' کلمات نبوتؐ اپنے اندر تین بلاغی اوصاف رکھتے ہیں جو کلام بلیغ کو فن کی بلندی پر تسلیم کرنے کا معیار ہیں۔ فصاحت وبلاغت کی اس بلندی کے بعد اور کوئی مقام بلند ہے ہی نہیں "اس کلام نبویؐ کا پہلا وصف خلوص ہے' یعنی یہ ان تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے جو عیوب ونقائص بلاغت شمار ہوتے ہیں دوسرا وصف بلاغی یہاں قصد وتوازن ہے جو لفظ ومعنی کے تناسب واعتدال میں نظر آتا ہے۔ ان معانی کے لئے کوئی اور الفاظ لانے کی حاجت نہیں اور اگر ان الفاظ میں سے آپ کچھ نکال دیں اور ان کی جگہ اور الفاظ لے آئیں تو وہ لفظ ومعنی کا قصد وتوازن غائب ہو جائے گا جو یہاں کلام نبویؐ کا طرہ امتیاز ہے' لیکن اس کلام نبویؐ کا تیسرا وصف بلاغی اسے فن کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر پہنچاتا ہے جو "استغناء" کہلاتا ہے یعنی کلام کا تمام اوصاف بلاغت سے پوری طرح متصف ہونا۔

کلام نبوتؐ کا وہ وصف جس نے جاحظ جیسے امام الادب والنقد کو اپنا فریفتہ اور گرویدہ بنایا وہ ان کلمات سے عبارت ہے جن کے حروف کی تعداد کم مگر معانی کی مقدار کثیر ہے۔ اسی طرح نئی تراکیب' تعبیرات اور محاورات کا ایک سلسلہ ہے جس کا آپ سے پہلے عربی زبان میں وجود ہی نہ تھا' آسان اور عام فہم الفاظ ہیں مگر معانی کی ایک دنیا ہے جو جوامع الکلم میں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی

نظر آتی ہے ' مثلاً" یوم بدر کے متعلق فرمایا کہ "ھذا یوم لہ مابعدہ" (یہ ایک ایسا دن ہے جس کے بعد اس کے نتائج کا ایک سلسلہ ہوگا) حق غالب آیا تو تاریخ کا دھارا بدل گیا اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت ہوتی تو آج دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی ' اسی طرح برپا ہونے والے فتنوں کے متعلق آپ کے ایک منقول ارشاد میں صلح کے بارے میں ایک محاورہ استعمال ہوا ہے "ھدنتہ علی دخن ہدنہ" جنگ بندی یا عارضی صلح کو کہتے ہیں جسے انگریزی میں ٹروس کہتے ہیں ' دخن کھانے کی اس بگڑی ہوئی کیفیت کا نام ہے جو اس پر دھوئیں کے اثر انداز ہونے سے پیدا ہوتی ہے ' یہ دونوں لفظ حضورؐ سے قبل عربی میں مستعمل تھے مگر ان دونوں لفظوں کو ملا کر یہ محاورہ زبان وادب کی تاریخ میں پہلی بار صرف حضورؐ نے بولا اور پھر ضرب المثل بن گیا(۴۵)۔

تشبیہ وتمثیل بات کو موثر طور پر دل نشین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے تمام انبیائے کرام کے وعظ وکلام کی یہ نمایاں خصوصیت رہی ہے ' رسول اکرمؐ کو تشبیہ وتمثیل پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے(۴۶) ' حدیث نبویؐ کا ذخیرہ ایسی سینکڑوں مثالوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے' تمثیل کی ایک بلیغ مثال آپ کا وہ ارشاد ہے جو معاشرہ کے تحفظ واصلاح کے متعلق ایک موثر درس عبرت پیش کرتاہے اور جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوئے ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھ گیا' ان میں سے ایک نے اپنی جگہ کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیا اور کہاکہ یہ تو میری اپنی جگہ ہے یہاں میں جوچاہوں کروں ' اب اگر وہ اسے پکڑتے ہیں تو سب کی نجات ہے ورنہ سب غرق ہوں گے(۴۷)

سب سے آخر میں ایک اہم نقطہ ہمارے سامنے آتاہے کہ قرآن کریم کے بلاغی اعجاز اور حدیث نبویؐ کے بلاغی اعجاز میں کچھ فرق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کی نوعیت کیاہے ؟ یہ حقیقت تو واضح ہے کہ اعجاز القرآن اور اعجاز الحدیث میں یقیناً فرق ہے اور ہونا بھی چاہئے مگر اس باریک فرق کو سمجھنا اور سمجھانا ایک اہم اور مشکل مسئلہ ہے 'اس فرق کو ہم دومثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ پہلی مثال اس طرح ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالی قادر مطلق کا کلام ازلی ہے اور کسی وقت کہیں بھی کسی انسان کے بس میں یہ نہیں کہ اس کا جواب لا سکے مگر کلام نبویؐ میں بعض فصحائے عرب کسی ایک بات میں کسی نہ کسی طرح تو شریک ہو سکتے ہیں مگر نہ تو فصیح وبلیغ عرب ایساکر سکتاہے اور نہ کوئی بلاغت کے ہر پہلومیں حضورؐ کا ہم پلہ ہو سکتا ہے 'گویا

مشارکت جزوی ممکن ہے مگر مساوات مطلق ناممکن ہے کیونکہ منصب نبوتؐ پر فائز ہونے کے بعد اور وحی ربانی کے نزول کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان اور باکمال شخصیت ہر بشری نقص و عیب پر غالب آچکی ہے حتی کہ شیطان پر بھی ' اس لئے نہ صرف یہ کہ کوئی لغزش کوئی نقص یا کوئی عیب اب آپ کی ذات میں ناممکن ہے بلکہ آپ کا تو ہر قول بھی وما ینطق عن الھوی کے تابع ہے جبکہ دیگر فصحاء و بلغاء یہ دعوی نہیں کر سکتے' ان کا یہ نصیب ہی نہیں ' اب تو کوئی نبی بھی نہیں بن سکتا صرف متنبی ،مفتری اور کذاب ہو سکتا ہے (۴۸)۔

دوسری مثال یہ ہے کلام اللہ کی حفاظت کا انسانی اور ربانی دونوں طرح کا انتظام موجودہ ہے بلکہ ضمانت دائمی و کامل موجود ہے ' جبکہ کلام نبویؐ کی حفاظت کا ایسا انتظام موجودہ نہیں رہا اور نہ اس کی کسی نوع کی ضمانت دی گئی ہے مگر بایں ہمہ امت اسلامیہ نے اپنے نبیؐ کے ارشادات کی حفاظت وتدوین کے لئے ایک شاندار اور قابل فخر کارنامہ انجام دیا ہے اس لئے جہاں بھی قولی حدیث نبویؐ صحت کے ساتھ ثابت و مسلم پائی جائے گی اس میں بلاغی اعجاز کا پایا جانا ممکن ہو گا' مگر یہ حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز کسی طرح بھی اعجاز القرآن کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا(۴۹)۔

تلخیص بحث کے طور پر ہم یہ کہیں گے کہ!

۱۔ نبی و رسولؐ کا اپنے منصب پر فائز ہونا اور وحی ربانی سے نوازا جانا بجائے خود ایک معجزہ ہوتا ہے۔

۲۔ اس منصب کے لئے انتخاب واصطفاء اللہ رب العزت کی مشیت کا کام ہے اس لئے اس کے چنے ہوئے میں کوئی نقص یا عیب یا کوتاہی ہونا شان الوہیت کے منافی ہے۔

۳۔ نبی کا ہر قدم مشیت الہی سے ہی اٹھتا ہے اور اس کی ہر بات اس کے فرمان کے تابع ہوتی ہے۔

۴۔ حدیث نبویؐ کی قولی قسم جو صحت کے ساتھ ثابت ہو اس میں اعجاز بلاغی کا ہونا قدرتی بات ہے ۔ تقاضائے وقت کے مطابق خاتم الانبیاءؐ کا زندہ جاوید معجزہ چونکہ بلاغت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے آپ کی زبان معجزہ بیان سے نکلنے والے ارشادات بھی بلاغی اعجاز کا شاہکار ہوتے ہیں۔

۵۔ اعجاز القرآن اور حدیث نبوی کے بلاغی اعجاز میں فرق ہے۔

حواشی و مصادر

۱ = علوم الحدیث للدکتور صبحی الصالح ص ۳۔ ۴' ادب الحدیث النبوی للاستاذ بکری شیخ امین ص ۱۰' السیر الحثیث للاستاذ عبدالعزیز ص ۱۲۔۱۶

۲ = علوم الحدیث ص ۴۰' ادب الحدیث النبوی ص ۳۸

۳ = سورہ البقرہ آیت ۱۸۱

۴ = جواہر الاصول ص ۵۳

۵ = سورہ الاعلیٰ آیت ٦ ۔ ۷

٦ = سورہ عنکبوت آیت ۴۹

۷ = الاتقان للسیوطی ۱/ ۱۱۵' تاریخ الادب العربی للزیات ص ۷۲

۸ = سورہ الحجر آیت ۹

۹ = جواہر الاصول ص ۱۴۲

۱۰ = البیان والتبیین للجاحظ ۱/ ۱۱۲

۱۱ = ایضاً ۱/ ۱۰٦

۱۲ = ایضاً ۱/ ۱۰۴

۱۳ = ایضاً ۱/ ۱۱۵

۱۴ = لسان العرب زیر مادہ ع ج ز

۱۵ = شرح المواقف للجرجانی ۳/ ۵۱۵

۱٦ = سیرہ النبی ۳/ ۱۱۵

۱۷ = سورہ النجم آیت ۳ ۔ ۴

۱۸ = احیاء علوم الدین للغزالی ۲/ ۷۴/۴' فصاحت نبوی ص ۱٦۳

۱۹ = بلوغ الارب للشکری الالوسی ۲/ ۵۲

۲۰ = اعجاز القرآن المصطفیٰ صادق الرافعی 'ص ۳۲۰'

۲۱ = شرح بردہ البوصیری 'ص ۷۳ '

۲۲ = السیرہ الحلبیہ ۱/ ۱۱۵ 'اعجاز القرآن للرافعی ۳۲۰۔ ۳۲۱ الزیات ص ۷۳

۲۳ = الشفاء للقاضی عیاض ۲/ ۷۸' فصاحت نبوی ۳۰۰ '

۲۴ = البیان والتبیین ۲/ ۱٦۔۱۸'

۲۵ = فصاحت نبوی ص ۲۰۱ الشفاء ۲/ ۱۷۸ '

۲٦ = اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۳۲ '

۲۷ = ایضاً

۲۸ = البیان والتبیین ۲/ ۱۸،

۲۹ = الکامل للمبرد طبعہ دمشق ۱/ ۱۵،

۳۰ = البیان والتبیین ۲/ ۱۶۔ ۱۸، اعجاز القرآن للرافعی ص۳۳۴،

۳۱ = ادب الحدیث النبوی، ص ۱۱۱ ۔ ۱۱۷،

۳۲ = سورہ الزخرف آیت ۵۲،

۳۳ = البیان والتبیین ۱/ ۱۳۲، مقدمتہ دیوان حسان للبرقوقی، ص ۷

۳۴ = اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۳۰،

۳۵ = سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۸ ،

۳۶ = اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۳۵، البیان والتبیین ۱/ ۱۳۲،

۳۷ = سورہ کہف آیت ۱۱۰،

۳۸ = سورہ آل عمران آیت ۷۴،

۳۹ = سورہ نساء آیت ۱۱۳،

۴۰ = سورہ الشعراء آیت ۶۲،

۴۱ = تاریخ طبری ۳/ ۴۳۲، روح المعانی ۱/ ۷۲،

۴۲ = ابن ہشام ۲/ ۲۸۲،

۴۳ = محمد للدکتور مصطفیٰ محمود ص ۵۲،

۴۴ = جمہرہ خطب العرب للاستاذ ذکی صفوت ۱/ ۱۷۵،

۴۵ = البیان والتبیین ۲/ ۱۶،

۴۶ = تاریخ الادب العربی للزیات ص ۴۳،

۴۷ = عظمتہ الرسولؐ للاستاذ محمد عطیتہ الابراشی ص۲۷۷،

۴۸ = ادب الحدیث النبوی ص ۲۷۱ ،فصاحت نبوی ص ۲۱۶،

۴۹ = ایضاً"